R. No, 2186/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلیفون — ۲۹
قیمت تین پیسے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت

جلد ۲۵ ۔ شمارہ ۳۱ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ اگست ۱۹۶۶ء

اداریہ

یوم آزادی

۱۵ اگست ۱۹۶۶ء کو ہمارے ملک کو آزاد ہوئے انیس سال پورے ہوگئے۔ اس عرصے میں ہم نے بہت کچھ کیا۔ جمہوریت کو اپنایا، سیکولرزم کے راستے پر چلے، سوشلزم کو منزل مقصود قرار دیا۔ منصوبہ بندی کے ذریعہ سے ملک کی ترقی کی راہیں ہموار کیں، صنعتی زندگی میں قدم رکھا، بیماری کی گرفت کم کی، جہالت دور کرنے کی مہم شروع کی، غربت کو نکالنے کی تدبیریں کیں۔ بڑے بڑے منصوبوں کے ذریعے سے بجلی پیدا کی، بہت سی چیزیں جن کے لیے دوسرے ملکوں کے دست نگر تھے خود بنانے لگے۔ مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ ہمیں جتنی ترقی کرنی چاہیے تھی نہ کر سکے اور آج انیس سال بعد بھی اناج کے لیے ہم دوسرے ملکوں کے محتاج ہیں، ہمیں بہت سی مشینیں اور سامان دوسرے ملکوں سے منگانا پڑتا ہے، غربت، جہالت، بیماری کو ہم کم کر سکے ہیں مگر دور نہیں کر سکے، چیزوں کی قیمتیں بڑھتی جا رہی ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر لوگ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور ہنگامہ کرنے لگتے ہیں، لسانی اقلیتوں کو دستور میں جو سہولتیں دی گئی ہیں اور حکومت کی طرف سے جو اعلان ہوئے ہیں ان پر عمل نہیں ہوتا، اس سلسلے میں ریاستیں من مانی کرتی ہیں اور مرکز ان سے باز پرس نہیں کرتا، اردو کے ساتھ ابھی تک انصاف نہیں ہوا ہے اور اس قومی زبان کی ترقی کے لیے وہ مواقع نہیں فراہم کیے گئے جو دوسری قومی زبانوں کو ملے ہیں۔ قول اور فعل کے درمیان ایک وسیع خلیج ہے۔ اس وجہ سے کچھ لوگ مایوس ہونے لگتے ہیں۔ ان کی وجہ سے دوسروں کا ولولہ بھی سرد پڑنے لگتا ہے۔

آج کے دن ہمارا فرض ہے کہ اپنی شکایات کے باوجود ملک کی وحدت، سالمیت، قومی یکجہتی، دفاع اور ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کا عہد کریں۔ اپنے حقوق پر اصرار کرتے ہوئے ان فرائض کو بھی خوشی اور جوش سے ادا کریں جو ہندوستان کے شہری کی حیثیت سے ہم پر عائد ہوتے ہیں، اپنے وطن پر، اپنے آپ پر، جمہوریت پر، اپنی تہذیب پر اور صالح قومی روایات پر بھروسہ رکھیں اور اپنی کوشش اور محنت سے ملک کو مضبوط اور طاقتور بنائیں۔ ہر ملک کو اپنی ترقی کی راہ میں مشکل مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ جو عقیدے کے مضبوط اور ارادے کے پختہ ہوتے ہیں یہ مشکلات انھیں نیا جوش اور ولولہ عطا کرتے ہیں، جن کا ایمان کمزور ہوتا ہے یا جو دودلے ہوتے ہیں وہ معمولی مشکل میں بتاشے کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ ہمیں اس وقت اقبال کے اس شعر کو خاص طور پر ذہن میں رکھنا چاہیے:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

آل احمد سرور

کابل میں ایک ہفتہ

(۶)

سمینار کی بحث سے اندازہ ہوا کہ ترجمے کے لیے مغربی زبانوں سے اصطلاحات بجنسہ لینے کی روش کو اب زیادہ پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا اور نہ صرف قدیم اور کلاسیکی زبانوں کی مدد سے وضع اصطلاحات کو، بلکہ اس معاملے میں ایک میانہ روی کو پسند کیا جاتا ہے۔ یہ ٹھیک بھی ہے یعنی ان اصطلاحات کو مغربی زبانوں سے لینے میں کوئی حرج نہیں جن کے مفہوم کو ہماری قدیم یا موجودہ زبانیں پوری طرح ادا نہیں کر سکتیں، مگر یہ عمل اس بے پروائی سے نہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے موجودہ سرمائے سے بالکل فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ ایران میں عربی کی اصطلاحات کے بجائے فارسی کی اصطلاحات استعمال کرنے کا طریقہ اب عام ہو گیا ہے مثلاً (CONSCIOUSNESS) کے لیے شعور کے بجائے خود آگاہی۔ تاجک زبان اور اردو میں اب بھی بہت سی اصطلاحیں عربی کی ہیں۔ ایک تاجک نمائندے نے اعتراض بھی کیا کہ اگر ایران عربی اصطلاحوں کو چھوڑ دے گا اور مغربی زبانوں خصوصاً فرنچ یا انگریزی سے اصطلاحیں لے گا یا فارسی کی اصطلاحیں ان کی جگہ وضع کرے گا، تو تاجکستان سے قرب ہونے کے بجائے بُعد ہو گا۔ اس لیے یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ جو اصطلاحیں عام ہو گئی ہیں اور ایران، افغانستان، تاجکستان، ہندوستان اور پاکستان میں استعمال ہو رہی ہیں، انھیں حتی المقدور بدلا نہ جائے۔

سمینار میں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ نہ صرف ان ہمسایہ ملکوں کے ادب کو مالا مال کرنے اور ان کی زبانوں کے علمی معیار کو بڑھانے کے لیے ترجمہ ضروری ہے، بلکہ ترجمے سے ان ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب اور سب کو جدید علمی معیار سے قریب لایا جا سکتا ہے یعنی ترجمہ ہمسایہ ملکوں کو بھی قریب لا سکتا ہے اور اتحاد بین الملت میں بھی مدد دے سکتا ہے۔

یونیورسٹیوں کی تعلیم کے سلسلے میں یہ سوال بھی اٹھا کہ کیا جدید مغربی علوم کو مغربی زبانوں کی اعلیٰ درجہ کی کتابوں کے ذریعے سے پڑھانا بہتر ہوگا جس کے لیے ان زبانوں سے اچھی واقفیت ضروری ہے یا جدید مغربی علوم کو ترجمے کے ذریعہ سے منتقل کر کے علمی مزاج پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی

اس بات پر زور دیا گیا کہ جدید مغربی زبانوں کے اچھی طرح جاننے والے بہتر حال بہت زیادہ نہ ہوں گے۔ ملک میں علمی معیار کو بلند کرنے کے لیے جدید علوم کو ترجمے کے ذریعہ سے پیش کرنا، بالآخر مجموعی طور پر ملک میں جدید نظر پیدا کرنے کے لیے زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ شاعری اور ناولوں کے ترجمے کے سلسلے میں کلاسیکل زبانوں سے سلیقے سے کام زیادہ لیا جا سکتا ہے۔ شاعری اور ناول کے ترجمے میں آزاد ترجمہ بھی مفید ہو سکتا ہے لیکن بچوں کے ادب کے سلسلے میں مغربی قصوں کو اپنانا اور انھیں اپنے ماحول میں پیش کرنا یقیناً اور زیادہ مفید ہوگا۔ ترجمے کے سلسلے میں اس بات سے بھی اتفاق کیا گیا کہ جس کی مادری زبان فارسی یا اردو ہے وہی انگریزی یا فرانسیسی ادب کا ترجمہ اپنی زبان میں بہتر کر سکتا ہے، ہاں اسے انگریزی یا فرانسیسی سے اچھی واقفیت ہونی چاہیے۔ اس کے ترجمے پر پھر کسی ایسے انگریز یا فرانسیسی کی نظر ثانی ہونی چاہیے جو اردو یا فارسی اچھی طرح جانتا ہو۔

آخری اجلاس میں ذیلی کمیٹی کی حسب ذیل سفارشات متفقہ طور پر منظور ہوئیں:

(۱) کابل میں ایک مرکزی دفتر قائم کیا جائے جو سیمینار کے کام کو آگے بڑھائے۔

(۲) یہ مرکزی دفتر ان تمام ممالک سے ربط قائم کرے جن کے نمائندے سیمینار میں شریک ہوئے۔

(۳) اس دفتر میں ان تمام ممالک میں ترجمے کے کام کے سلسلے میں مکمل معلومات جمع کی جائیں۔

(۴) شریک ملکوں میں ترجمے کی ہر کتاب کے پانچ نسخے مرکزی دفتر کے لیے بھیجے جائیں۔

(۵) شریک ملک ایک دوسرے کے ترجمے کے کام سے مرکز کے ذریعہ سے واقف رکھے جائیں۔

(۶) ہر ملک اس مرکزی دفتر کے لیے نمائندہ منتخب کرے۔

(۷) کوشش کی جائے کہ اصطلاحات جس حد تک ہو سکے یکساں ہوں۔

(۸) حسب ضرورت اس قسم کے اور سیمینار کیے جائیں۔

کانفرنس کے ختم پر ایران کی طرف سے سیمینار میں شریک ہونے والوں کو کتابوں کا ایک سیٹ نذر کیا گیا۔ اس میں سائنس، سماجی علوم اور ... کے ترجمے شامل ہیں، نیز رسالہ سخن کے کچھ شمارے بھی۔

ہم لوگ ان کتابوں کو ساتھ لانے پر تُلے ہوئے تھے۔ ان کا وزن کافی تھا۔ ہمارے سفارت خانے کی سفارش پر ہوائی جہاز والوں نے اس کی اجازت دے دی۔ اتوار کو دوپہر کو کابل پہنچے تھے۔ دوسرے اتوار کو دو بجے کابل کے حساب سے وہاں سے روانہ ہوئے اور دہلی کے حساب سے چھ بجے پالم کے ہوائی اڈے پر اُتر پڑے۔ ہوائی اڈے پر بارش نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ مالک رام صاحب کی وجہ سے کسٹم والوں سے جلد نجات مل گئی۔ میں ان کے گھر ہوتا ہوا اسٹیشن پہنچا اور رات کے گیارہ بجے علی گڑھ آ گیا۔ صدیوں پہلے جو سفر مہینوں میں طے ہوتا تھا اسے ہم نے چند گھنٹوں میں طے کر لیا۔ ہاں افغانستان کی ترقی، وہاں کے لوگوں کی مہمان نوازی اور محبت اور وہاں کے مناظر کی خوبصورتی کا نقش دل پر باقی ہے۔ (ختم شد)

پروفیسر آل احمد سرور بھارتی بھاشا سمیتی کے ممبر نامزد

وزارت تعلیمات حکومت ہند نے بھارتی بھاشا سمیتی کے نام سے ایک مشاورتی کمیٹی بنائی ہے جو حکومت کو جدید ہندوستانی زبانوں کی ترقی کے سلسلے میں مشورے دے گی اور سفارشات کرے گی۔ کمیٹی کے صدر وزیر تعلیم ہوں گے۔

اس کمیٹی میں ہر ریاست کے ایک نمائندے کے علاوہ دستور کے آٹھویں شیڈول میں درج چودہ زبانوں میں سے ہر ایک کا کوئی ممتاز مصنف یا ادیب بھی نمائندہ نامزد کیا گیا ہے۔ اردو کی نمائندگی کے لیے پروفیسر آل احمد سرور کو نامزد کیا گیا ہے۔

سمیتی کا جلسہ عنقریب دہلی میں ہوگا۔

(نامہ نگار ہماری زبان)

یوم نول کشور

لکھنؤ۔ ۲۵ر جولائی۔ منشی نول کشور کی یاد میں منائے جانے والے یوم نول کشور کو جو بزم مقالات، مشاعرہ اور کتابوں کی ایک نمائش پر مشتمل ہوگا کامیابی سے منانے کی تیاریاں جاری ہیں جیسا کہ یوم نول کشور کمیٹی کے منتظم اعلیٰ جناب درّانی نے بتایا۔

اکتوبر میں ہونے والی اس تقریب کا دفتر گنگا پرشاد میموریل ہال میں قائم کیا گیا ہے۔ تقریب کے منتظمین نے اس سلسلے میں ہندوستان اور بیرونی ملکوں کے ادبی اور ثقافتی اداروں سے تعاون کی اپیل کی ہے۔

(قومی آواز لکھنؤ)

حب الوطنی کے موضوع پر منظومات کے مقابلہ میں اُردو کے دو شاعروں کو انعام

نئی دہلی۔ ۷ر اگست۔ ابھی حال میں آل انڈیا ریڈیو کی طرف سے "حب الوطنی" کے موضوع پر نظم نگاری کا مقابلہ ہوا تھا جس میں اردو اور ہندی کے سات شاعروں اور کویوں نے حصہ لیا تھا۔ اردو میں کوئی شاعر اول انعام کا مستحق نہیں قرار پایا۔ دو شاعر بدیع الزماں خاور اور رضا امروہوی کی نظمیں دوسرے درجہ کے انعام کی مستحق قرار پائیں۔ ہندی کی ایک خاتون کوی سروجنی سنہا کو اول انعام ملا ہے۔ ان نظموں کو صدا بند کر لیا گیا ہے اور یوم آزادی کے سلسلے میں ہونے والی تقریبات کے دوران میں انھیں نشر کیا جائے گا۔ (سیاست جدید کانپور)

کشمیر یونیورسٹی کا پہلا اردو پی۔ ایچ۔ ڈی

سری نگر ۲۹ر جولائی یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ جموں و کشمیر یونیورسٹی کے استاد جناب حبیب اللہ حامدی کو ان کے مقالے "جدید اردو نظم کے ارتقا پر یورپی اثرات" پر کشمیر یونیورسٹی نے پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی ہے۔

سلطان احمد

شیر شاہ کا ہندوستان

شیر شاہ آدمی تھا یا فرشتہ کبھی تھکنا نہ گھبراتا اور ہارنا تو جانتا ہی نہ تھا۔ وہ شیر سے ڈرا نہ بابر سے جھکا، اپنی دھن میں لگا طوفانوں سے ٹکراتا، جنگلوں کو روندتا، پہاڑوں کو کاٹتا آگے بڑھا۔ پامردی و استقلال مزاج تھا اور شجاعت و بہادری طبیعت۔ ایک دفعہ جنگل میں شیر اس پر جھپٹا۔ اب یہ تھا یا وہ۔ اس کی نظر چمکی اس کی تلوار اور شیر دو ٹکڑے۔ دوسری طرف سیاسی سطح پر شاہی دسترخوان بچھا۔ ملک کے زعما اور اکابرین سبھی موجود تھے۔ مگر بانیٔ سلطنت مغلیہ کی نظر اسی پٹھان پر جمی۔ بابر کی مردم شناسی دیکھو، نظر پڑی اور تمام خطرات سامنے آ گئے۔ ادھر چشم زدن میں تیزی و ہوشیاری نے راستہ دکھایا۔ وہ ضیافت سے کیا اٹھا حدود سلطنت سے باہر تھا۔

بچپن میں سوتیلوں کا سلوک، جوانی میں بھائیوں کی دشمنی، بڑھاپے اور آخری دم تک حملوں اور یلغاروں سے واسطہ۔ دن ہنگاموں کے پیش خیمہ، راتیں خیالوں کی آماجگاہ۔ ایک جیالا تحمل ان سرگرمیوں کی تاب کہاں سے لائے۔ تسکین کی صورت کتنی ہی اطمینان بخش ہو، یہاں حوصلوں اور ولولوں کی دنیا آباد تھی جس کی پکاریں اور للکاریں، وہ نیند کے خراٹوں میں سنتا اور جواب دیتا۔ جاگتا اور بازپرس کرتا، اور خواب و بیداری میں کوئی خلل نہ ہوتا۔ لوگ حیران تھے یہ کس بلا کا انسان ہے۔ جسم میں آگ لگی سارا بدن جل گیا۔ سوزش و تپش سے آم و صندل کا گہرا لیپ بھی جل اٹھا۔ لیکن زبان پر آہ کی جگہ ہمت کا نعرہ تھا۔ فتح کا مژدہ سنا الحمد اللہ کہا اور چل بسا۔ یہ تھا فرید وقت، حامیٔ دین و خادم وطن، عزائم کا شیر شاہ اور تاریخ کا سلطانِ عادل۔

فرید ابھی بچہ تھا، سہسرام کی گلیوں میں کھیلتا۔ الگ ہٹ کہو اور ہونے والی بات، ایک دن وہ ایسا مچلا کہ ہزار منانے نہیں مانتا، آخر باپ نے دروں پر قرار، بیٹا رونے لگا۔ اتنے میں ایک خضر صورت جو بالکل خاموش تھے، یکایک بول اٹھے، حسن خاں بھی کیسا احمق ہے۔ دلی کے بادشاہ کو رلاتا ہے۔ بھلا اس وقت مجذوب کی یہ بڑ کون سمجھتا؟ کوئی سمجھے نہ سمجھے، واقعہ کو صرف وقت کا انتظار تھا۔ طلوع ہونے والا آفتاب، ہر روز اس کا چہرہ یقین کرتا رہا۔ اور تاریخ جب تک بڑھ کر تصدیق کرے، اس سے پہلے ہی وہ اپنی تیتوں کا والی اور ہمتوں کا شاہ بن چکا تھا۔ موقع ملا فرید خاں آگے بڑھا۔ اس نے جاگیروں کا اتنا اچھا انتظام کیا کہ نزدیک و دور ہر جگہ دھوم مچ گئی۔ زمین و اراضی کی پیمائش ہوئی۔ کاشتکاری کے رقبے اور مربعے قائم ہوئے۔ اراضی و مال گزاری کی تفصیل لکھ کر اسامیوں کے حوالہ کی گئی۔ فریقین کے دستخط ہوئے اور یہ تحریر قبولیت قرار پائی۔ ایسی ایک دوسری تحریر رعیتوں کو دیتا جو پٹہ کہلاتا۔ زمین کا یہ بندوبست کتنا ہی بدلے اس کی بنیاد اپنی جگہ قائم رہی۔ جس پر ملک کی زرعی ترقی و خوشحالی منحصر ہے۔ اسی طرح اس کا مالی نظام بھی منظم و مستحکم تھا۔ حساب کتاب، جمع و خرچ اور وزن و مقدار سبھی مقرر و استوار۔ غرض آئین و اصلاحات کی وہ جملہ صورتیں جو عہد اکبری میں نمایاں و جلوہ گر ہوئیں۔ وہ شیر شاہ کے اسی دستور العمل سے ماخوذ ہیں۔ خود راجہ ٹوڈرمل اس کا تربیت یافتہ تھا۔ اس زمانہ میں جب حکومت ایک خاندانی وراثت تھی، یہ کون کہہ سکتا تھا کہ ایک معمولی اور دور افتادہ جاگیردار، امور مملکت کا ایسا ماہر و مدبر اور اتنا کامیاب حکمراں ثابت ہوگا۔

ملک میں تمدن شاہراہوں سے داخل ہوتا اور پھیلتا ہے۔ یہ تصور بھی شیر شاہ کے پیش نظر تھا جس نے دور سے دور مقامات کے قریب سے قریب راستوں کو سارے ملک میں جاری کر دیا اور سفر کی کٹھن اور پرخطر راہوں کا طے کرنا باغوں کی سیر اور گلگشت بنا دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کی تعمیرات کا سارا زور ملک کی ان شاہراہوں پر صرف ہوا۔ نقل و حمل کی سہولتیں فراہم کرنے میں اس نے جس گرفت و صلاحیت کا ثبوت دیا وہ اسی کا حصہ تھا۔ یہ وقت کا اعجاز اور شیر شاہ کا طرۂ امتیاز تھا کہ اس کی روزانہ ڈاک ۳ ہزار ۴۰۰ تازہ دم تیز رفتار گھوڑوں کی باگ سے بندھی، ملک کے دور دراز حصوں سے مرکز تک پہنچ جاتی۔ اس کے ہرکارے اور مردان کار اتنے تیز گام و برق انداز نکلے جن کی رفتار وقت کی رفتار بن گئی اور ان کے پیروں کی گردش سے وقت کا اندازہ کیا جانے لگا۔ گویا وقت ان کے قبضہ میں آ گیا۔ کہتے ہیں، یہ ڈاک کے ہرکارے اپنی لاٹھیوں اور گھنٹیوں کو بجاتے، جب دوپہر اور راتوں کو، یکہ و تنہا سنسان و پرخطر راستوں سے گزرتے۔ تو انسان تو انسان ہی تھے، کیڑے مکوڑے، موذی جانور اور خونخوار درندے بھی راستوں سے ہٹ جاتے۔ اور شاہی ڈاک بلا خوف و خطر، تیغے سنانی آگے بڑھ جاتی۔ وقت اور ملکی حالات پر قابو پانے کی جو مثال اس مختصر مدت میں ملتی ہے، وہ پھر کب دیکھنے میں آئی؟

رفاہ عام اور مسافروں کے آرام کے لیے اس نے سترہ سو سرائیں بنوائیں۔ ہر سرائے سے ملحق ایک بلند مینار پر نقارچی چوب بدست کھڑا رہتا۔ اس کے کانوں میں دوسرے نقارہ کی آواز پڑتی اور اس نے اپنے نقارہ پر چوب ماری۔ اسی طرح آواز دلی پہنچ جاتی یہ امن و سلامتی کی خبر ہوتی، جس کے سنتے ہی مسلمان مسافروں کو پکا ہوا کھانا اور ہندو مسافروں کو آٹا گھی مفت ملتا۔ دلی میں شاہی دسترخوان بچھتا، بادشاہ خاص و عام کے ساتھ کھانا کھاتا اور خدا کا شکر ادا کرتا۔ یہ اس کی نیت کا پھل تھا کہ سارا ملک امن و امان کا گہوارہ بن گیا۔ رعیت شاد، ملک آباد، رستے محفوظ، ڈاک رواں، اور خیر و برکت جاری۔ یہ تھا شیر شاہ کا ہندوستان اور

(باقی صفحہ ۵ کالم ۲)

مولانا ابوالکلام آزاد اور مولوی عبدالحق کے اختلافات کی نوعیت

تقسیم کے بعد انجمن ترقی اردو کی تشکیل جدید

(ابوسلمان شاہجہاں پوری، آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی نے اپنے ایک مکتوب میں پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) سے مولانا ابوالکلام آزاد، مولوی عبدالحق، تقسیم کے بعد انجمن کی تشکیل جدید کے سلسلے میں بعض سوال کیے ہیں، چونکہ ان کا تعلق بعض اہم مسائل سے ہے اس لیے قارئین ہماری زبان کی دلچسپی کے لیے ابوسلمان شاہجہاں پوری صاحب کے سوالات اور پروفیسر آل احمد سرور صاحب کے جوابات درج ذیل کیے جاتے ہیں۔ ادارہ "ہماری زبان")

ابوسلمان شاہجہاں پوری صاحب کے سوالات

۱۔ مولانا آزادؒ اور مولوی صاحب مرحوم میں اصل بنائے اختلاف کیا تھی؟ انجمن سے متعلق پالیسی کا اختلاف، سرسید اور شبلی اسکول کا اختلاف، مولانا اور مولوی صاحبان کے اپنے اپنے افتاد طبائع اور خاص قسم کے مزاج، ذاتی رنجش یا کوئی اور وجہ؟

۲۔ کیا تقسیم ملک کے بعد ممکن تھا کہ مولوی صاحب دونوں ملکوں میں اردو کی رہنمائی کرتے اور ایک انجمن بیک وقت دونوں جگہ کام کرتی رہتی؟

۳۔ مولوی صاحب کے ہندوستان چھوڑنے سے وہاں اردو کی تحریک کو کیا نقصان پہنچا اگر وہ ہندوستان نہ چھوڑتے تو کیا آج وہاں اردو کا موقف کچھ مضبوط ہوتا؟ نیز کیا پاکستان میں ان کے تشریف لائے بغیر اردو کو وہ مقام نہ ملتا جو اب اس کو حاصل ہے؟

۴۔ کیا پاکستان آتے ہوئے مولوی صاحب انجمن کا کتب خانہ یہاں لے آئے تھے؟ اگر نہیں لائے تھے تو کیا حکومت نے یا مولانا آزاد نے اس میں رکاوٹ ڈال دی تھی؟

۵۔ کیا مولوی صاحب کے پاکستان آنے سے وہاں انجمن ترقی اردو بالکل ختم ہوگئی تھی یا انجمن باقی رہی تھی مولوی صاحب پاکستان آگئے اور انجمن کے لیے سکریٹری کا انتخاب کر لیا گیا؟ یا یہ صورت پیدا ہوئی کہ انجمن ہی ختم ہوگئی اور انجمن ترقی اردو ہند کے نام سے دوسری انجمن تشکیل دی گئی؟

پروفیسر آل احمد سرور صاحب کے جوابات

۱۔ جہاں تک میرا علم ہے ذاتی رنجش کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ ہاں شبلی اور ان کے سلسلے کے سب لوگوں کے متعلق مولوی عبدالحق کی رائے میں عصبیت ضرور پائی جاتی تھی۔ میرے سامنے مولوی عبدالحق نے الہلال کی اردو کو "عربی اردو" کہا تھا۔ مولوی صاحب ۳۶ء تک قوم پرستوں کے ساتھ تھے۔ لیکن ناگپور میں ہندی ہندوستانی کے قضیے کے بعد سے وہ گاندھی جی کانگریس اور اس کے رہنماؤں سے نہ صرف اختلاف کا اظہار کرتے رہتے تھے بلکہ مسلم لیگ کے رہنماؤں سے قربت کی وجہ سے تمام قوم پرست رہنماؤں سے بدظن بھی ہوگئے تھے۔

۲۔ تقسیم کے بعد دونوں جگہ کام کرنا ممکن نہ تھا۔ مولوی عبدالحق صاحب یہ چاہتے تھے کہ ایک انجمن دونوں ملکوں میں کام کرے اور وہ کبھی کراچی میں اور کبھی دہلی میں قیام کریں۔ مگر انھوں نے چونکہ اپنے آپ کو اور انجمن کی اردو تحریک کو بڑی حد تک مسلم لیگ سے وابستہ کر لیا تھا اس لیے مولانا آزاد کا مشورہ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں ایک انجمن کے قیام کے حق میں نہ تھا کیونکہ مولوی صاحب کی طرف سے قوم پرستوں کو جو شبہات تھے ان کی وجہ سے ایک انجمن اگر دونوں ملکوں میں کام کرتی اور مولوی صاحب کا واسطہ ہوتا تو ہندوستان میں اردو کو فائدے کے بجائے نقصان پہنچتا۔ میں نے الہ آباد میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے مکان پر ان سے عرض کی تھی کہ وہ پاکستان نہ جائیں اور ہندوستان میں اردو کے لیے کام کریں۔ پاکستان میں اردو کا مستقبل میرے نزدیک ہر طرح محفوظ تھا لیکن ہندوستان میں کام کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ اگر مولوی صاحب پاکستان سے کوئی تعلق نہ رکھتے اور ہندوستان میں جم کر کام کرتے تو میرا خیال تھا کہ ان کی دیرینہ خدمات کے پیش نظر شبہات دور ہوجاتے اور ان کے کام کا اعتراف بھی ہوتا لیکن دونوں ملکوں میں ان کے کام کرنے کو میں نے بھی پسند نہیں کیا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے میرے نزدیک ہندوستان میں مولوی صاحب کے موقف کے ساتھ انصاف نہ ہوتا اور شبہات بدستور رہتے۔ جہاں تک مجھے علم ہے ڈاکٹر صاحب نے بھی مولوی صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ وہ پاکستان میں کام کریں اور ہندوستان میں اردو کے تحفظ کا کام یہاں کے دوسرے اردو کے خادموں پر چھوڑ دیں۔

۳۔ مولوی صاحب کے ہندوستان چھوڑنے سے میرے خیال میں اردو کی تحریک کو نہ صرف نقصان نہیں پہنچا بلکہ فائدہ ہی ہوا کیونکہ پھر انجمن کی قیادت ایسے لوگوں نے کی جو مسلّم قوم پرست تھے اور اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ اردو کی پوزیشن ہندوستان میں تقسیم کے فوراً بعد کے زمانے سے آج زیادہ مضبوط ہے گو ابھی بہت سی کوتاہیاں اور زیادتیاں ہیں مگر اس کے قومی کردار اور مزاج اور قومی اور جمہوری رول کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور اسے ہندوستان کی قومی زبانوں میں سے ایک قومی زبان مان لیا گیا ہے۔ اس بنیاد پر آئندہ اور بھی بہت کچھ ہوسکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ ان کے پاکستان جائے بغیر اردو کو وہ مقام نہ ملتا جو اب اس کو حاصل ہے۔ اس کا جواب پاکستان کے لوگ بہتر دے سکتے ہیں، ہاں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مولوی صاحب نے مشرقی پاکستان کو اردو سے بیزار کر دیا۔ اگر بنگالی حمایت کے ایک متحمل رویہ اختیار کیا جاتا تو شاید بہتر نتائج نکلتے۔ ویسے پاکستان میں اردو کے مستقبل کا مسئلہ مولوی صاحب کی کوششوں کا محتاج نہ تھا۔ رائے عامہ کی تائید اردو کو حاصل تھی۔

۴۔ جب یہ طے ہوا کہ انجمن کے وسائل دونوں ملکوں میں تقسیم کر دیے جائیں تو یہ بھی اجازت دی گئی تھی کہ وہ کتابیں جو مولوی صاحب کی ذاتی تھیں وہ اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ پنڈت کیفی کی جو ذاتی کتابیں تھیں وہ ان کو دے دی گئیں۔ ہاں کتب خانہ چونکہ انجمن کے سرمائے سے (باقی صفحہ ۱۲ پر)

تجدید

عین حنفی

سن رہی ہو؟ اینٹ پتھر کے سرکنے کی صدا!
ٹوٹی چھت پر بیٹھ کر آکاش کو تکنی ہو کیا!
اس کھنڈر کو چھوڑ کر آؤ چلیں میدان میں
اس طرف وہ جھاڑیوں کا جھنڈ ہے چھدرا سا
آؤ اس میں چل کے ہم اک دوسرے کو دیکھیں
اور دیکھیں پتھروں کے جنگل میں کیا پیار تھا
گھر بنے بگڑے، بسے، اجڑے مگر ہر دور میں
ایک یہ جنگل ہی ایسا ہے کہ جیوں کا تیوں رہا!
آؤ چل کر جھاڑیوں کے جھنڈ میں سوجائیں ہم
پھر سے پانے کے لیے اک دوجے میں کھوجائیں ہم

سکون

واحد علی بانگے

اس نے کہا دوڑو !
اس وقت تک
جب تک تم
تھک کر بیٹھ نہ جاؤ
پسینے اور سانس سے طے کی ہوئی
زمین کی لمبائی کے مالک نہ بن جاؤ
تم آزاد ہو؟
اس کو محسوس کرو
دوڑ
وہ دوڑا
نجات، خوشی اور آزادی؟
وہ دوڑتا رہا سوچتا رہا
مقام؟
وہ ٹھہرا اور گر پڑا
تکان سے
بدن پر ابھری ہوئی پسینے کی بوندوں کو
زمین کے چھوٹے چھوٹے ذرے چاٹ گئے
زندگی تھم گئی
سانس کے جھٹکے خاموش ہوگئے
دوڑ میں
حاصل شدہ زمین میں
اس کا حصہ اتنا ہی تھا
جتنی اس کے بدن کی لمبائی

صفحہ ۳ سے آگے

صفحہ ۳ سے آگے

ہندوستان کا شیر شاہ!

دنیا کے فاتحین میں تیمور کا مقام بہت بلند ہے۔ اس کی عظمت و جلال کا یہ حال تھا کہ گھر سے نکلا ہند کو فتح کیا۔ ابھی دلی میں دم بھی لینے نہ پایا تھا، اور ضعیف العمری میں گھوڑے پر بیٹھا، ماسکو روانہ ہوگیا۔ یہ مہم سر ہوئی وہ دوسری طرف نکلا۔ ترکی میں گھسا انقرہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ وہاں سے لوٹا اور چین کی طرف بڑھا۔ اس کے اقدام سے ایک تہلکہ مچ گیا۔ ایشیا کے ساتھ افریقہ بھی لرزہ میں تھا۔ اور مغربی ممالک کانپ رہے تھے۔ وہ جدھر گیا فتح اس کے قدموں سے لگی رہی۔ لیکن طبیعت میں قرار کہاں اور حکومت میں استحکام کیا؟ فاتح و حکمران میں یہ بڑا فرق ہے۔ دونوں خوبیاں ایک ساتھ بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ چنانچہ دو بار اکبری کے نقیب کو بھی یہ آواز لگانی پڑی کہ تیمور بادل کی طرح آیا، گرجا برسا اور دیکھتے دیکھتے صاف ہوگیا۔ اس کے برعکس شیر شاہ کے اقدام میں وہ دوڑ دھوپ نہ ہو جو تیمور کی چھلانگ تھی۔ پھر بھی یہ وطن کی زمین سے اٹھا۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہوا، سختی سے سخت حالات کا مقابلہ کیا اور ملک کے تاج و تخت کا مالک بن گیا۔ یہ کامیابی بطور خود کتنی ہی جلیل القدر اور شاندار ہو لیکن شیر شاہ کی اصلی عظمتوں کی حامل نہیں۔ کیونکہ ایک لرزتی ہوئی آواز میں اس نے پکارا تھا۔

"خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم تیرے بندوں کی حکمرانی
میں ایک ادنیٰ غلام ثابت ہوں"

مخطوطۂ ناظم خاں کی یہ عبارت سرکاری کتب خانۂ رام پور میں اب تک محفوظ ہے۔ غرض شیر شاہ کی بڑائی اس میں تھی کہ اس کی حکمرانی، خدمت گزاری تھی۔ وہ حکومت کے ہر کام کو عبادت سمجھ کر انجام دیتا۔ اس کے نزدیک بڑے ہونے کے یہ معنی تھے کہ وہ ہر وقت کام میں لگا رہے۔ وہ کہتا تھا "حکومت کی بنیاد عدل پر ہے اور کفر و اسلام دونوں عدل کے مستحق ہیں۔ پھر جو کچھ اس نے کہا وہ کر کے دکھایا اسی بنیاد پر اس نے ایک ایسی مثالی حکومت قائم کی جس سے دوسری حکومتیں بھی صدیوں فائدہ اٹھاتی رہیں۔ اور عوام الناس جن کا وہ نمائندہ، ترجمان اور حکمراں تھا، آج تک اس کی بخششوں سے شاد کام ہیں!

لسانی کمشنر کی رپورٹ

اس مرتبہ دو رپورٹیں ایک ساتھ پارلیمنٹ کے ایوان کے سامنے آئی ہیں ان دونوں کو سامنے رکھ کر اگر دیکھو تو یہ چیز صاف ہو جاتی ہے کہ اترپردیش کی حکومت کا رویہ ابھی تک اردو کے لیے انصاف پسندانہ نہیں ہے۔ مثلاً ایک رپورٹ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ان اسکولوں کی تعداد جہاں اردو پڑھائی جاتی تھی کس طرح سے ایک سال کے اندر گھٹی ہے۔ ملاحظہ ہو:

ضلع	اسکول ۶۱-۱۹۶۰ء	اسکول ۶۲-۱۹۶۱ء	کمی
الموڑا	۴	۳	۱
سہارن پور	۱۹	۱۸	۱
فتح پور	۲۸	۲۲	۶
غازی پور	۳۶	۳۰	۶
جالون	۱۰	۶	۴
مین پوری	۱۲	۶	۶
پیلی بھیت	۳۵	۲۰	۱۵
گورکھپور	۴۵	صفر	۴۵

اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے ساتھ سب سے زیادہ بھیانک سلوک گورکھپور میں کیا گیا ہے جہاں پہلے ۴۵ اسکولوں میں اردو پڑھائی جاتی تھی اور پھر ایک سال کے اندر اندر سب اسکولوں سے اردو خارج کر دی گئی۔ آخر بارہ مہینے کے اندر اندر کیا گیا کہ اردو پڑھنے والے سب خاندان غائب ہو گئے نہ تو اس ضلع سے کوئی بہت بڑا تبادلہ آبادی ہوا، اور نہ وہاں کوئی بہت بڑا لسانی فساد ہوا، پھر یہ کیا آفت آئی کہ ۴۵ اسکولوں میں اردو پڑھنے والے ہی نہیں رہے۔

رپورٹ سے جو انکشافات ہوتے ہیں ان میں سب سے افسوسناک گورکھپور ہی کا معاملہ نہیں ہے۔ اور معاملات بھی ہیں مثلاً اٹہ کا حال لیجیے۔ وہاں کے ۳۰۸ جونیر ہیک اسکول اور ۲۲۵ پرائمری اسکول ضلع پریشد کی سرپرستی میں ہیں اور ۵۰ پرائمری اسکول میونسپلٹی کی نگرانی میں ہیں۔ ان اسکولوں میں سے ایک میں بھی اردو میں تعلیم نہیں دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس ضلع میں جو اسلامیہ اسکول اور مکتب ہیں، جن کو لسانی اقلیت نے قائم کیا ہے۔ ان کو نہ تو رکگنائز کیا گیا ہے اور نہ امداد دی جاتی ہے۔ ایک آدھ جن کو رکگنائز کر لیا گیا ہے ان کو صرف ۲ روپیہ ماہوار کی امداد دی جاتی ہے۔ اور یہ رقم ایسی ہے جو کسی شمار قطار میں نہیں۔

بنارس میں اردو بولنے والوں کے خاص علاقے میں دو اسکول ہیں دالہ منڈی گرلس اسکول اور پکا بازار گرلس اسکول۔ مگر یہاں اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

اسلامیہ اسکولوں اور مکتب کو جو امدادی رقم ملتی تھی، وہ دوسرے اسکولوں کو دے دی گئی ہے۔

بنارس کے میونسپل کارپوریشن کے اسکولوں میں ابھی تک ذریعہ تعلیم اردو نہیں ہے حالاں کہ کارپوریشن کی اگزیکیوٹیو کمیٹی نے ۲۰ جولائی ۶۲ء کو یہ فیصلہ کیا تھا کہ پرائمری اسکولوں میں بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جائے گی۔

لسانی کمشنر اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ۶۶-۶۵ء میں اردو کے طالب علموں کی جو تعداد ہے۔ ان کا اگر ۶۳-۱۹۶۲ء کی تعداد سے مقابلہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے، اسکولوں کی تعداد میں بھی کافی کمی ہوئی ہے اور طالب علموں کی تعداد میں بھی۔

تین باتیں اور بہت اہم ہیں جن کی طرف کمشنر نے اشارہ کیا ہے ایک تو یہ کہ اترپردیش کی حکومت نے جو سہ لسانی فارمولا بنایا ہے۔ اس میں مادری زبان کو کوئی جگہ نہیں دی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ داخلے کے فارم میں ابھی تک حکومت نے مادری زبان کا کوئی خانہ نہیں رکھا ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ کمشنر نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ اردو کے ٹیچروں کی فراہمی کا حکومت کوئی انتظام نہیں کر رہی ہے۔

دونوں رپورٹوں کے مطالعے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ادھر دو سال میں اردو کی حالت اترپردیش میں کافی خراب ہو گئی ہے۔ پہلے بہت سخت کوششوں سے گورکھپور ہی کے اسکولوں میں اردو رائج کرائی گئی تھی وہاں سے غائب ہو گئی۔ اسی طرح بنارس میں بہت سخت جد و جہد کے بعد اردو رائج کرائی گئی تھی۔ اس رپورٹ سے معلوم ہوا کہ وہاں سے بھی غائب ہو گئی۔

اس جگہ اس بات کا تذکرہ کر دینا ضروری ہے کہ اردو کو ابھی تک جو کچھ ملا ہے وہ تعمیری جد و جہد سے ملا ہے۔ اور اس کے علاوہ جو بھی جد و جہد کی گئی ہے۔ اس کا اثر الٹا ہی پڑا ہے۔ جو جد و جہد پنجابی صوبے کے لیے کی گئی ہے وہ اردو والے نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی ایسی جد و جہد سے فرقہ پرستی کو شہ ملے گی۔ اور اس کا نتیجہ برا ہوگا۔ بہت سے لوگ ایسی باتوں کو سن کر کہتے ہیں کہ اخلاقی اور منطقی اصول کی بنا پر فرقہ پرستوں کو اب ایسا رد عمل نہ قبول کرنا چاہیے۔ بلکہ اب ایسا قبول کرنا چاہیے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ فرقہ پرور طاقتیں ایسے اصولوں پر نہیں چلتی ہیں جس طرح بیوپاری تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی بہانہ ملے اور قیمتیں بڑھا دیں۔ اسی طرح فرقہ پرور تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی بہانہ ملے اور وہ فرقہ پروری کو ابھار کر اپنے الکشن کے لیے اور بھاری بھاری چندے حاصل کرنے کے لیے میدان ہموار کر لیں۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ اردو کو بعض حقوق مل گئے ہیں، اور تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ اگر جم کر کوشش کی جائے اور ہر ہر عنصر کو ہمدرد بنانے کی جد و جہد کی جائے تو بعض عنصر ایسے ابھر آتے ہیں جو ساتھ دے دیتے ہیں اور کام بن جاتا ہے، اور اگر دوسری طرح جارحانہ انداز سے کام کرو تو بہت سے وہ عناصر جو ابھی ساتھ ہیں وہ بھی الگ ہو جاتے ہیں، چنانچہ گورکھپور اور بنارس اور بعض اور مقاموں سے اردو کا جو اخراج ہوا ہے وہ اردو کے نادان دوستوں کی بے جا کارروائیوں کی وجہ سے ہوا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ جیک اور گرج اور دھوم دھڑکا اور نمائش جارحانہ نعروں میں ہے، جو شخص بھی ایسے نعرے لگانے لگتا ہے وہ فوراً مقبول ہو جاتا ہے۔ اس طرح تعمیری کام کی

(باقی صفحہ ۷ کالم ۲ پر)

اردو کی افتاد

(معاصر انگریزی روزنامہ ہندوستان ٹائمز نے اپنی ۹ اگست ۱۹۶۶ کی اشاعت میں مندرجہ بالا عنوان سے ایک ہمدردانہ اداریہ لکھا ہے جس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ ہندوستان ٹائمز ان انگریزی اخبار وں میں ہے جو اردو کے جائز مطالبوں کی حمایت کرتے رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ دوسرے انگریزی روزنامے بھی اردو کے آئینی اور جمہوری حقوق اور جائز مطالبات کی تائید کرنے میں ہندوستان ٹائمز کی پیروی کریں گے۔ ادارہ)

پارلیمنٹ میں اس ہفتے یہ شکایت دہرائی گئی کہ اردو کو وہ سرکاری سرپرستی نہیں مل رہی ہے جس کی وہ مستحق ہے۔ یہ شکایت نہ تو نئی ہے اور نہ بالکل غلط۔ پچھلے بیس سال کے دوران ہندوستان کی مختلف زبانوں کی ترقی کی رفتار خاصی غیر متوازن رہی ہے۔ اس کے اسباب کچھ تو سیاسی حالات ہیں اور کچھ بعض زبانوں کے خیر خواہوں اور مبلغوں کی عصبیت اور ہٹ دھرمی۔ اردو نے اس عرصے میں کم ترقی کی ہے بلکہ حقیقتاً اس کا زوال ہوا ہے۔ اگر وہ لوگ جو اس سے محبت کرتے ہیں اردو کی تائید اور حمایت کرنے میں کچھ ہچکچاتے رہے ہیں تو اس میں ماضی قریب کے بعض تاریخی حالات کو دخل ہے۔ ہندوستان میں بولی جانے والی مختلف زبانوں میں سے کسی کسی وجہ سے اردو اور ہندی اس تلخ سیاسی جنگ کے مہرے بن گئیں جو تقسیم سے قبل لڑی گئی جس کے نتیجے کے طور پر عوام کے ایک حلقے میں اردو اور ہندی نہ صرف دو علاقوں بلکہ ہندوستان کے دو نمائندہ فرقوں کی زبانیں بھی جانے لگیں۔ یہ نقطۂ خیال اب کم ہو رہا ہے لیکن تقسیم ہند سے قبل کی فرقہ وارانہ سیاست کے گناہوں کا سایہ آج بھی کسی حد تک اردو پر منڈلا رہا ہے۔

اردو کے لیے سرکاری سرپرستی اور توجہ کا مطالبہ مضبوط اور ٹھوس ہے۔ پیدائش کے لحاظ سے اس کے رسم خط کے بدیسی ہونے کے باوجود مزاج اور ساخت کے اعتبار سے اردو زبان بھی اتنی ہی ہندوستانی ہے جتنی کہ دستور میں مذکور دیگر زبانیں۔ معیار اور تنوع کے اعتبار سے اس کا ادب ہندوستان کی دوسری زبانوں کا ہم پلہ ہے۔ شمالی ہند کی ادبی اور تہذیبی تاریخ میں بھی اس نے ایک اہم اور مخصوص رول ادا کیا ہے۔ اس لیے یہ افسوس کی بات ہے کہ ماضی کی ایک بہت ہی محدود وقت کی سیاسی کشمکش کی وجہ سے اردو کو اپنے وطن میں اجنبیت کا احساس ہو۔

دلی میں جہاں یہ پیدا ہوئی، یوپی، بہار اور پنجاب میں جہاں یہ اس نے ترقی کے مدارج طے کیے، اس کو ایک خصوصی مقام ملنا چاہیے بلکہ سرکاری طور پر بھی اس کا تعین ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں کو جو اردو کے پرجوش ہوا خواہ ہیں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اردو کو جو مقام تقسیم ہند سے قبل مختلف ریاستوں میں حاصل تھا یا بعض ریاستوں میں مقامی زبانوں کے مقابلے میں جو حیثیت تھی، وہ مقام اور حیثیت اردو کو اب ملنے کی توقع نہیں ہے۔ پنجاب ہی کی مثال لے لیجیے جہاں بہت سے شعبوں میں اردو کی جگہ ہندی اور پنجابی نے لے لی ہے۔ اس تبدیلی پر شاید ہی کسی کو اعتراض ہو کیونکہ اس کے پیچھے اردو کی مخالفت کا جذبہ نہیں ہے بلکہ دوسری دو زبانوں کو وہ حق دلانے کا احساس ہے جو ان کو بہت پہلے ملنا چاہیے تھا اور جس سے وہ اب تک محروم تھیں۔ یہ تبدیلی بعض دوسری ریاستوں میں بھی ہو رہی ہے۔ اردو دوستوں کو وقت ضائع کیے بغیر اور صبر و ضبط کے ساتھ ان تبدیلیوں کو سمجھنے اور قبول کرنے کی عادت ڈالنا چاہیے۔

صفحہ ۶ سے آگے

اور اردو کے دس بارہ لیڈر نعرے لگا لگا کر ابھر آئے ہیں۔ لیکن یہ نعرے لگا لگا کر وہ بیٹھ بھی رہے کیونکہ جب انھوں نے عملی میدان میں قدم رکھنا چاہا تو محسوس ہوا کہ یہاں کا راستہ بہت ٹیڑھا میڑھا ہے۔ اور یہ روش ان کے بس کا نہیں ہے۔

دس بارہ حضرات اردو کے لیے جارحانہ نعرے لگا لگا کر لیڈر بن چکے ہیں اور تین چار جارحانہ ٹائپ کی اردو کی انجمنیں بھی بن چکی ہیں۔ یہ کام اگر چل سکتا ہے تو دو چار سال اور چل سکتا ہے اور اسی قسم کے دس بارہ لیڈر اور بن سکتے ہیں اور تین چار پارٹیاں اور بن سکتی ہیں۔ اس کے بعد لوگوں کا اس طرح کے نعروں اور اعلانوں پر سے اعتقاد اٹھ جائے گا، اور یہ کام بھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔

بات یہ ہے کہ جب تک یہ حالت نہ ہو کہ اگر سو مسلمان جیل جانے اور فاقہ کرکے مرنے کے لیے تیار رہیں تو ان کے ساتھ پچاس ہندو اور سکھ بھی اسی حد تک جانے کو تیار ہوں اس وقت تک نہ تو جارحانہ نعروں سے کچھ ہو سکتا ہے اور نہ کسی قسم کی جارحانہ کارروائی سے۔ یہ بے حد موٹی سی بات ہے۔ اور حیرت یہ ہے کہ جارحانہ نعرے والوں کی نظر اس پر نہیں جاتی ہے۔

اگر اسی طرح کا دوڑ دھوپ کا تعمیری کام کیا جائے جیسا کہ پچھلے برسوں میں ہوتا رہا ہے۔ تو اردو کو بہت کچھ مل جائے۔ اس طرح کے کاموں سے اردو طالب علموں کی تعداد صفر سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی۔ اگر اس طرح کے کام کو جاری رکھا جائے تو پانچ سال میں یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ اور اگر اتنے طالب علم پرائمری اسکولوں سے نکلنے لگے تو پھر جونیر اسکولوں اور ہائر سکنڈری اسکولوں کا مزاج بھی بدل جائے گا اور جب ان سے بھی کافی تعداد میں اردو کے طالب علم نکلیں گے تو یونیورسٹیوں اور حکومتوں کا مزاج بھی بدل جائے گا۔ یہ راستہ بالکل سیدھا راستہ ہے جس پر چلنے کے بعد کامیابی یقینی ہے۔ لیکن یہ بات بھی ہے کہ اس راستے میں گھن گرج نہیں ہے۔ نمائش نہیں ہے اور اس وجہ سے گھن گرج اور نمائش کرنے والوں کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

(اداریہ قومی آواز)

راجستھان میں اردو کیلئے جدوجہد

(خصوصی نامہ نگار)

گورنمنٹ راجستھان نے حال ہی میں ایک نیا پورٹ فولسانی اقلیتوں کے مسائل حل کرنے کی غرض سے قائم کیا ہے جس کے منسٹر خان برکت اللہ خاں صاحب ہیں۔ لہٰذا ۸ رجولائی کو انجمن ترقی اردو راجستھان کا ایک وفد منسٹر صاحب موصوف سے ان کے دفتر واقع سکریٹریٹ میں ملا۔ اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے راجستھان میں موجودہ مسائل اردو پر خوشگوار فضا میں گفتگو ہوتی رہی۔

اس وفد میں حسب ذیل اصحاب شامل تھے۔

(۱) خان بہادر الحاج الطاف احمد صاحب خیری صدر انجمن

(۲) راؤ بہادر پنڈت اوتار نرائن صاحب بہادر نائب صدر

(۳) محمد افتخار علی صاحب تسنیم ممبر انجمن

(۴) ڈاکٹر سردار رام سنگھ صاحب خازن انجمن

(۵) مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل۔ جنرل سکریٹری انجمن

چونکہ زبان کا تعلق بھاشا وبھاگ "راجستھان سے بھی ہے اس لیے ڈائریکٹر صاحب محکمہ مذکور کی عدم موجودگی کے باعث ان کے اسسٹنٹ بھی اس ملاقات کے وقت موجود تھے۔

اوّل ہر معاملہ پر تفصیل سے زبانی گفتگو ہوئی۔ پھر وفد نے ایک مفصل ومدلل یادداشت پیش کی جس میں شرح وبسط کے ساتھ ہر معاملہ سے بحث کی گئی ہے۔ اس یادداشت کا متن جداگانہ شائع ہونے کی امید ہے۔ جو انگریزی میں ہے یقیناً اس کے مطالعہ سے راجستھانیوں کو خصوصیت سے اور دیگر ریاستی اردو دوستوں کو بھی کافی بصیرت و واقفیت ہو سکے گی۔ یہ کتابچہ دفتر انجمن ترقی اردو راجستھان تسلیم منزل جے پور سے مفت حاصل ہو سکے گا۔

یادداشت مذکور کا مفہوم بطور لب لباب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اس یادداشت میں اوّل بطور سنگ بنیاد دستور ہند کی ان دفعات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جن کی رو سے اقلیاتی طبقہ کے قانونی حقوق تسلیم کیے گئے ہیں۔

مثلاً آرٹیکل (۱۴) جس میں ہر ہندوستانی کی آزادی اور اس کی مساویانہ حیثیت تسلیم کی گئی ہے۔ اور

آرٹیکل (۱۵) جس کی رو سے ہر امتیازی سلوک ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

آرٹیکل (۱۶) ملازمتوں میں مساویانہ مواقع فراہم کرنا۔

آرٹیکل (۱۹) آزادی تقریر و اظہار خیال وغیرہ کو حق تسلیم کیا گیا ہے۔

آرٹیکل (۲۵) مذہبی و اعتقادی و معاشی وغیرہ آزادی

آرٹیکل (۲۹) اقلیاتی طبقہ کو اپنی زبان۔ رسم خط اور تہذیب وغیرہ کے تحفظ کا حق۔ اس کے اداروں کو مالی امداد دیا جانا اور کوئی امتیازی سلوک زبان مذہب یا کسی اور وجہ سے نہ کیا جانا۔

یہ دفعہ دستور ہند میں اقلیاتی طبقہ کے لیے بہت اہم دفعہ ہے۔

آرٹیکل ۳۴۷۔ جس کی رو سے صدر جمہوریہ کو خاص حالات اور خاص مقامات کے لیے کسی اقلیاتی زبان کو حکومت کی سرکاری کاروباری زبان تسلیم کرنے کا اختیار ہے یہ دفعہ بھی لسانی اقلیات کے حقوق کے تحفظ کے لیے بہت اہم ہے۔

آرٹیکل ۳۵۰۔ جس کی رو سے کسی بھی زبان میں ہر شخص اپنی شکایت دور کرانے کے لیے حکام مجاز کو درخواست دے سکتا ہے۔

آرٹیکل ۳۵۰۔الف و ۳۵۰۔ب اقلیات کے لیے سب سے زیادہ اہم و موثر اور قابل توجہ ہیں۔

۳۵۰۔الف کا منشا یہ ہے کہ ہر حاکم مجاز کی کوشش ہونی چاہیے کہ لسانی اقلیات کو ان کی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے معقول مواقع اور سہولتیں ابتدائی کلاسوں میں بہم پہنچیں اور صدر جمہوریہ کو ہدایات جاری کرنے کا اختیار ہے۔

۳۵۰۔ب لسانی اقلیت کے حقوق کی حفاظت کے لیے ایک افسر مجاز کا تقرر۔

واضح رہے کہ اسی دفعہ کے بموجب لسانی اقلیتوں کے کمشنر کا تقرر ہوا ہے۔ جس کا دفتر الٰہ آباد میں ایلگن روڈ پر ہے۔

اس حاکم خصوصی یعنی کمشنر کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ لسانی اقلیتوں کے تحفظات کی تحقیقات کر کے صدر جمہوریہ کو اپنی رپورٹ پیش کرے۔

(اب تک لسانی اقلیتوں کے کمشنر نے پانچ رپورٹیں گورنمنٹ کو ارسال کی ہیں جن میں راجستھان کے متعلق وہ سب ہی معاملات ہیں جو کمشنر کے نوٹس میں لائے گئے ہیں)

آرٹیکل ۳۴۴ (۱) اور ۳۵۱ کی رو سے اردو ہندوستان کی قومی زبانوں میں سے ایک مسلمہ زبان ہے۔

(ہندوستان کی قومی زبان ۱۴ ہیں جن کا ذکر دستور ہند کی آٹھویں فہرست میں موجود ہے)

یہاں تک دفعات دستور ہند کا ذکر تھا۔

اس کے بعد

سفارشات ریاستی تنظیم نو کے کمیشن

کے حوالے دیئے گئے ہیں یعنی کمیشن مذکور نے اپنی رپورٹ کے پیراگراف نمبر ۷۷۶ میں سفارش کی ہے کہ کانگریس کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۹ء و ۱۹۵۳ء کی منظور کردہ قرارداد اور ریاستوں کے وزرائے تعلیم کی کانفرنس منعقدہ اگست ۱۹۴۹ء کی منظور کردہ تجویز کے مطابق جن کو مرکزی اور ریاستی حکومتیں منظور کر چکی ہیں۔ لسانی اقلیت کے طلبہ کو ان کی مادری زبان کے ذریعہ پرائمری درجوں میں ان کی مادری زبان کی تعلیم دی جائے اور اسی زبان کے ذریعہ امتحان لیے جائیں اور یہ انتظام کیا جائے کہ کم از کم ہر جگہ ایک مدرس کا تقرر کیا جائے بشرطیکہ کسی ایسے اسکول میں (پورے درجوں میں) طلبہ کی تعداد چالیس ہو یا کسی ایک درجہ میں دس۔

(واضح رہے کہ ہر درجہ میں داخل کی شرط نہیں ہے)

مادری زبان وہ تصور کی جائے گی جو طالب علم کے سرپرست بتائیں۔

پرائمری درجوں کے بعد بھی دو سال تک مادری زبان میں جواب دینے کی سہولت دی گئی ہے۔

پیراگراف ۷۷۷ و ۸۳ء میں بھی لسانی اقلیتوں کی بابت چند سفارشات کی گئی ہیں۔

وزیر داخلہ ہند کی یادداشت ۲۴ر ستمبر ۵۶ء کو وزیر داخلہ آنجہانی پنڈت پنت نے ایک یادداشت لوک سبھا کی میز پر رکھی جس کی رو سے مذکورالصدر سفارشات کو منظور کیا گیا اور کہا گیا کہ اگر تعداد طلبہ کافی ہو تو لسانی اقلیات کے لیے جداگانہ اسکول بھی کھولے جاسکتے ہیں جن کا ذریعہ تعلیم مادری زبان ہی ہو۔ ثانوی درجوں کی تعلیم کے لیے بھی یہ سہولت دی جائے گی۔ اور اگر ایسے اسکول غیر سرکاری ادارے چلائیں تو حکومت کو چاہیے کہ انھیں مالی امداد دے۔

حکومت اس قسم کی سہولتیں سرکاری اور ضلع بورڈ کے ایسے اسکولوں میں بھی بہم پہنچائے کہ جہاں ایک تہائی تعداد طلبہ اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنا چاہیں۔

یہ امر بھی طے کردیا گیا کہ سہ لسانی قاعدے کے تحت مادری زبان بطور اختیاری مضمون اور بحیثیت تیسری زبان کے بھی لی جاسکتی ہے۔

کمیشن مذکور کی سفارشات کے ذیل میں یہ امر بھی مرکزی حکومت نے منظور کرلیا ہے کہ جہاں تیئس فیصدی کسی اقلیاتی طبقہ کی زبان بولی جاتی ہو۔ وہ انتظامی لحاظ سے دو لسانی علاقہ تصور ہوگا۔ اور اگر کسی محدود ضلع میں اقلیاتی آبادی ۷۰ فیصدی ہو تو وہاں سرکاری دفتری زبان اقلیاتی طبقہ کی زبان ہوگی۔

حکومت ہند نے ریاستی حکومتوں کو ان امور پر عملدرآمد کا حکم دیتے ہوئے ہدایت کی کہ اس تعمیل میں کسی قسم کا عذر یا حیلہ تلاش نہ کیا جائے۔

یہ سفارش بھی منظور کی گئی ہے کہ جہاں اقلیاتی طبقہ کی آبادی کا تناسب ۱۵ فیصدی سے ۲۰ فیصد تک ہو۔

اس رقبہ میں جو ضلع ہو یا حصہ ضلع۔ بلدیہ ہو یا تحصیل سرکاری احکام و اعلان اور قانون و قواعد اقلیاتی طبقہ کی زبان میں بھی شائع کیے جائیں گے۔

حکومت ہند کا پریس نوٹ بابت اردو جولائی ۱۹۵۸ء میں وزارت داخلہ حکومت ہند نے ایک پریس نوٹ بھی اردو کی بابت جاری کیا۔ جس میں اردو کو ہمارے ملک کی زبان مانا گیا ہے اور ہندوستان کو اس کا وطن تسلیم کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اردو ہماری قومی و سرکاری زبان ہے۔ لہٰذا اس کو وہ تمام سہولتیں جو ایسی زبانوں کو دی جاتی ہیں، دی جائیں اور اس کی ہمت افزائی ہونی چاہیے۔

اسی پریس نوٹ میں تعلیمی سہولتوں۔ اساتذہ کی ٹریننگ، درسی کتابوں کی فراہمی، ثانوی تعلیم میں مراعات۔ اردو کی دستاویزات کا بلا ترجمہ قبول کیا جانا کہ جو اردو رسم خط میں ہوں درخواستوں کا اردو میں دیا جانا۔ قوانین کا اردو میں شائع کیا جانا وغیرہ منظور کیا گیا ہے۔

تفصیل کے لیے اصل پریس نوٹ قابل ملاحظہ ہے۔

حکومت راجستھان کی جانب سے مراعات و تحفظات میں تاخیر ہوتی رہی اور انجمن ترقی اردو راجستھان برابر توجہ بھی دلاتی رہی۔ اور اس کے وفد بھی حکام متعلقہ سے ملتے رہے اور مل رہے ہیں اور آئندہ بھی یاددہانی وغیرہ کا سلسلہ قائم رہے گا۔

آخر حکومت راجستھان نے ایک حکم جاری کیا۔

اجرائے فرمان — یعنی لسانی اقلیت کی بابت حکم منجانب حکومت راجستھان

(۱۱) ۱۲ - محکمہ تعلیم بی ۵۹ مورخہ ۲۱ر فروری ۵۹ منجانب سکریٹری ایجوکیشن بنام ایڈیشنل ڈائرکٹر صاحب پرائمری و سکنڈری ایجوکیشن راجستھان۔ جس میں خلاصہ کہ طلبہ کی چالیس اور دس کی شرط مذکورہ بالا کے مطابق تعلیم اردو کا انتظام کیا جائے جس کا ذریعہ تعلیم بھی اردو ہو۔ اور یہ کہ آئندہ تعلیمی سال سے اسی حکم پر لازمی طور پر عمل کیا جائے۔ اس حکم کی نقل کا ترجمہ آخر میں شامل کیا جاتا ہے حرف "الف"

اس کے بعد ۲۰ر اپریل ۵۹ء کو حکومت راجستھان نے ایک پریس نوٹ بھی جاری کیا جس کی نقل کا مفہوم ترجمہ حرف "ب" ہے۔ اس میں کہا گیا ہے تعلیمی سال ۱۹۶۰ء سے اس پر عملدرآمد ہوگا۔ درسی کتابیں قریبی ریاستوں سے لے لی جائیں "تاوقتیکہ راجستھان میں چھپیں۔ سنسکرت کو لازمی مضمون نہ رکھا جائے۔ اردو کی کتابیں لائبریریوں کے لیے خریدی جائیں۔

ان احکام کے باوجود اب تک بھی صحیح تعمیل حکم نہیں ہو رہی ہے مثلاً۔

(الف) ان تمام اسکولوں میں جہاں عائد کردہ شرط تعداد طلبہ پوری ہے اب تک بذریعہ مادری زبان اس کی تعلیم کا انتظام نہیں کیا گیا۔ یعنی اردو کا اس بابت ایک مفصل گوشوارہ انجمن ترقی اردو راجستھان پیش کرچکی ہے جہاں حسب شرط مذکور اردو جاری ہوجانی چاہیے تھی اور اب تک نہیں ہوئی۔

(ب) بیشتر جگہ اختیاری مضمون کی حیثیت سے اردو کا مضمون نہیں پڑھایا جاتا اور اسی طرح سہ لسانی فارمولا کے تحت۔

ان امور کی بابت بار بار گورنمنٹ راجستھان کو توجہ دلائی گئی اور وفود نے بھی حاضر ہوکر یادداشتیں پیش کیں مگر معاملہ اب تک وہیں ہے جہاں تھا۔

انجمن نے یہ مطالبہ شدت کے ساتھ کیا کہ اس عدم تعمیل کی جانچ انجمن کے نمائندہ کی موجودگی میں بر سر اسکول ہر جگہ کرائی جائے۔ اس بابت اسپشل سکریٹری صاحب نے معلومات کرنے کا اقرار بھی کیا مگر اب تک کچھ بھی نہ ہوا نتیجہ سے انجمن بذا بے خبر ہے۔

رجسٹر تعداد طلبہ اس بات کا یقین کرنے کے لیے کہ دستور ہند کے عطیہ و حقوق مراعات اقلیت کو مل رہی ہیں۔ لسانی اقلیاتی کمشنر الہ آباد نے تجویز کی تھی کہ ہر پرائمری اسکول میں ایک رجسٹر کھولا جائے جس میں مادری زبان (مراد اردو) کی تعلیم کے خواہشمند طلبہ اپنے نام قبل از وقت درج کرا دیں۔ یہ تجویز حکومت راجستھان نے ۱۹۵۹ء میں منظور کرلی تھی۔ مگر اس پر عمل اب تک نہیں ہوا۔

(باقی آئندہ)

ایک نئی اردو لائبریری کا قیام

ٹالی گنج کلکتہ کے ادب دوست حضرات کا ایک جلسہ مورخہ ۴ رجولائی ۹۶ء کو راحت منزل ۱۲۳ دلیش پران شیشل روڈ، ٹالی گنج کلکتہ ۳۳ میں شری شانتی رنجن بھٹاچاریہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں تمام حاضرین نے اس بات کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا کہ علمی و ادبی ذوق کو پروان چڑھانے کے لیے جنوبی کلکتہ میں ایک اردو لائبریری کو قائم کرنا ضروری ہے تاکہ جنوبی کلکتہ کے باشندے جن کو علم و ادب سے دلچسپی ہے اپنی دلچسپی کا سامان پائیں اور اس طرح علم و ادب کی ترقی ہو۔

لہٰذا حاضرین جلسہ نے فیصلہ کیا کہ ایک اردو لائبریری جس میں زیادہ تر اردو کی علمی و ادبی کتابیں ہوں اور ساتھ ہی بنگلہ، انگریزی نیز ہندی کی اہم ادبی تصانیف بھی ہوں، قائم کی جائے اور یہ تجویز بہ اتفاق رائے منظور ہوئی۔ اس کے بعد جناب خلیل احمد صاحب نے لائبریری کا نام بزم ادب لائبریری رکھنے کی تجویز پیش کی جسے ہر کسی نے خوشی منظور کیا۔ اس جلسہ میں لائبریری قائم کرنے اور لائبریری کو چلانے و آگے بڑھانے کے لیے لائبریری کمیٹی کا چناؤ عمل میں آیا، اور حسب ذیل حضرات لائبریری کے عہدہ داران نیز ممبران ورکنگ کمیٹی بہ اتفاق رائے چنے گئے۔

(۱) صدر و سرپرست: جناب شانتی رنجن بھٹاچاریہ صاحب
(۲) سکریٹری: جناب خلیل احمد صاحب۔
(۳) لائبریرین: جناب محمد اسرائیل صاحب۔
(۴) نائب لائبریرین: جناب علی حسن صاحب۔
(۵) خازن: جناب عبد الرؤف صاحب۔

ممبران ورکنگ کمیٹی: جناب مشتاق ہاشمی صاحب، جناب خلیل الرحمٰن صاحب، جناب مشوق علی صاحب، جناب غلام احمد صاحب، جناب شریف احمد صاحب، اور جناب مولوی زین العابدین صاحب

لائبریری کے لیے فوری طور پر علم دوست حضرات نے جو کتابیں عطیہ کے طور پر دی ہیں اس کی مجموعی تعداد تقریباً تین سو کتابیں ہیں۔ ان میں جناب محمد اسرائیل صاحب نے پچاس کتابیں دی ہیں اور شری شانتی رنجن بھٹاچاریہ صاحب نے بھی پچاس کتابیں دی ہیں نیز مزید کتابیں دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ بزم ادب لائبریری کمیٹی کے اراکین جنوبی کلکتہ خاص کر محلہ ٹالی گنج کے باشندوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لائبریری کے ممبر بنیں، لائبریری کو کتابیں اور دیگر ضروری چیزیں عطیہ کے طور پر دیں۔ اس مقصد کو مد نظر رکھ کر زیادہ سے زیادہ لوگ لائبریری کے ممبر بن سکیں کمیٹی نے ماہانہ چندہ صرف ۵ روپیے رکھا ہے۔ اراکین کمیٹی مقامی باشندوں سے یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ تمام ممبر بن کر لائبریری کو آگے بڑھائیں گے نیز خود بھی فائدہ اٹھائیں گے۔

(شانتی رنجن بھٹاچاریہ)

سرگرم بہار ریاستی انجمن ترقی اردو

بہار میں اردو کے تحفظ و بقا کے لیے علاقائی زبان کا حق دلوانا قومی، سماجی، تہذیبی اور ثقافتی نقطۂ نظر سے ایک بہت اہم مسئلہ بن گیا ہے کہ جسے حل کئے بغیر اردو دوست اس ملک میں عزت و آبرو کی زندگی نہیں گذار سکتے، لیکن افسوس تو یہ ہے کہ

"کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا"

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو اپنی بساط و استطاعت کے مطابق اردو کے حقوق منوانے کے لیے فیصلہ کن اور آخری مرحلے کی جد و جہد سے گذرنے کا قطعی فیصلہ کر چکی ہے۔ لیکن ایسے نازک موقع پر اردو دوستوں کی سرد مہری اور سست رفتاری سخت خطرے کی بات ہے۔ بہرکیف! بہار کے اردو دوستوں سے توقع ہے کہ وہ اپنا پر خلوص تعاون پورے جوش و خروش کے ساتھ پیش کریں گے۔

۴ر جون کو وزیر اعلیٰ بہار سے انجمن کا ایک وفد ملا تھا، لیکن نتیجہ کے اعتبار سے وہ بے سود ثابت ہوا۔ اس لیے کہ وزیر اعلیٰ بہار نے اردو دوستوں کو امید فردا پر زندہ رکھنا ہی کافی سمجھا۔ اس صورت حال نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ ریاستی پیمانے پر اردو دوستوں کو اکٹھا ہونے کی دعوت دیں اور ان سے عملی اقدام کی درخواست کریں۔ اس کے علاوہ انجمن کے ریاستی عہدہ داروں کا جدید انتخاب بھی ایک نہایت ضروری اور اہم مسئلہ ہے تاکہ نئی ذمہ داری قبول کرنے والے حضرات نئے جوش و خروش اور ولولے کے ساتھ آگے بڑھ سکیں! اور اردو تحریک کو کامیاب بنا سکیں۔ چنانچہ ۲۷، ۲۸ راگست ۹۶ء بروز سنیچر، اتوار ریاستی اردو کانفرنس اور انتخابی اجلاس منعقد ہونا طے پایا ہے۔ عہدیداروں کے انتخاب میں انہی شاخوں کے ڈیلی گیٹ حصہ لے سکیں گے، جو ممبر سازی کر کے اپنا گوشوارہ اور ادھ کٹیاں ریاستی انجمن کے دفتر میں داخل کر چکی ہیں۔

ریاستی کانفرنس کی مجلس مضامین میں شرکت کے لیے ہر شاخ کو دو نمائندے بھیجنے کا حق حاصل ہے۔ اس لیے ریاستی انجمن کی تمام شاخوں کے ذمہ داروں سے اپیل ہے کہ ۲۷، ۲۸ راگست کی اس مجوزہ کانفرنس میں اپنا نمائندہ بھیجنا ضروری سمجھیں۔ اور جن شاخوں نے ممبر سازی کی ہے وہ پچیس ممبر پر ایک ڈیلی گیٹ کے حساب سے اپنا ڈیلی گیٹ منتخب کر کے ۲۰ر اگست تک ریاستی انجمن کے دفتر میں ان کے ناموں کی فہرست فیس کے ساتھ بھیج دیں۔ ڈیلی گیٹ فیس فی نمائندہ، یا فی ڈیلی گیٹ ایک روپیہ ہے۔ جن شاخوں نے رسیدیں طلب کی ہیں لیکن ابھی تک ادھ کٹیاں اور رقم کو نہیں بھیجا ہے، وہ ۲۰ر اگست تک ادھ کٹیاں اور رقم بھیجنا فراموش نہ کریں۔ اور اگر رسیدیں نہیں کٹی ہیں تو سالم رسیدیں بھیج دیں۔ ۲۰ر اگست کے بعد جو ادھ کٹیاں پہنچیں گی اُن کے ڈیلی گیٹوں کو کارروائی میں حصہ لینے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ امید ہے کہ شاخیں کانفرنس میں شرکت کو بے حد ضروری اور اہم سمجھیں گی اور اپنا نمائندہ بھیجنا بھی لازمی سمجھیں گی۔

(بیتاب صدیقی
جنرل سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو پٹنہ)

ناگپور یونیورسٹی کی اردو دشمنی کے خلاف انجمن کی شاخوں کے جلسے

انجمن ترقی اردو شاخ کامٹی

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کامٹی کی مجلس منتظمہ کا اجلاس ماسٹر ارجن لال تسیم صاحب صدر انجمن کی صدارت میں ۱۶ جولائی ۱۹۶۶ء کی شب میں فیضی نیوز ایجنسی کے دفتر گجری بازار میں ہوا۔ اس میں ناگپور یونیورسٹی کی اردو دشمنی کے خلاف تجویز منظور کی گئی۔

تجویز کی منظوری کے بعد یہ طے کیا گیا کہ اس کی نقلیں ناگپور یونیورسٹی، حکومت مہاراشٹر، حکومت ہند، کمشنر مائناریٹی لنگویجیس حکومت ہند الہ آباد کو روانہ کر دی جائیں۔ (شمیم فیضی سکریٹری شاخ کامٹی)

انجمن ترقی اردو شاخ بلہارشاہ

انجمن ترقی اردو شاخ بلہارشاہ ضلع چندرپور کی مجلس منتظمہ کا ایک خصوصی جلسہ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۶۶ء کو انجمن کے دفتر میں منعقد ہوا، اور صدر انجمن جناب شیخ محی الدین صاحب نے صدارت فرمائی جلسے میں ناگپور یونیورسٹی کے اردو دشمن فیصلے کے سلسلے میں ایک تجویز اتفاق رائے سے منظور کی گئی۔ (عبدالرشید سکریٹری شاخ بلہارپور)

انجمن ترقی اردو شاخ برہانپور

۳۱ جولائی ۱۹۶۶ء انجمن ترقی اردو برہانپور کا ایک احتجاجی جلسہ جنتا لائبریری ہال میں منعقد ہوا جس میں سکریٹری انجمن اقبال نصیب نے دو اہم تجاویز پیش کیں جسے متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔

(۱) انجمن ترقی اردو برہانپور کا یہ جلسہ ناگپور یونیورسٹی سے سخت احتجاج کرتا ہے کہ اس نے اپنے یہاں اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے ختم کیا لہٰذا ہمارا پرزور مطالبہ ہے کہ وائس چانسلر صاحب فوراً اپنے فیصلے کو واپس لے کر اردو اختیاری مضمون کو بحال فرمائیں۔

(۲) برہانپور میں دیگر تمام زبانوں کو ملا کر کل ۶۰ فیصدی آبادی غیر اردو والوں کی ہے اور چالیس فیصدی آبادی صرف اردو داں حضرات پر مشتمل ہے لہٰذا ہم نگر پالیکا برہانپور سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ دفتری زبان اردو کو بھی قرار دیا جائے تاکہ اردو عوام کے لیے سہولت ہو۔ (اقبال نصیب سکریٹری شاخ برہانپور۔ ایم۔ پی)

انجمن ترقی اردو اتر پردیش کی مجلس عاملہ کا جلسہ

ریاستی انجمن ترقی اردو یوپی کی مجلس عاملہ اور کونسل کا جلسہ زیر صدارت پنڈت آنند نرائن ملا صدر انجمن سنٹرل جوبلی امین آباد میں ۳۱ جولائی کو منعقد ہوا۔ جلسہ میں ریاست کے مختلف اضلاع کے نمایندوں اور ریاستی انجمن کے ممبروں نے شرکت کی۔ اردو کی موجودہ پوزیشن اور دقتوں پر تمام حضرات نے اپنے خیالات ظاہر کیے خاص طور پر اردو کی تعلیم کے سلسلہ میں مشکلات پر غور کیا گیا۔ انجمن کو زیادہ سے زیادہ منظم کرنے اور فعال بنانے کے لیے سردست ایک عارضی مشاورتی کمیٹی حسب ذیل حضرات پر مشتمل بنائی گئی جو ہر مہینے ریاست میں اردو کے متعلق جائزہ لے کر انجمن کی تمام شاخوں سے رابطہ قائم کرکے راہ عمل متعین کرے گی۔ پنڈت آنند نرائن ملا صدر انجمن، قاضی مختار احمد سکریٹری، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی صاحب جوائنٹ سکریٹری اور ایک ایک نمائندہ بنارس، رام پور اور بہرائچ پر مشتمل ہے۔ صدر انجمن کو اختیار دیا گیا کہ وہ ایک اور ممبر کا انتخاب کریں گے۔

حسب ذیل تجاویز متفقہ طور پر پاس ہوئیں۔

(۱) سکریٹری کو دستور کے مطابق عملی اختیارات دئے جائیں اور عملی کام کا پروگرام فی الحال یہ رکھا جائے کہ اسکولوں میں اردو رائج کرانے کی جدوجہد کی جائے کونسل کا اجلاس تین مہینے کے بعد پھر بلایا جائے اور اس کو دیکھا جائے کہ پروگرام کہاں تک کامیاب رہا اور اردو تعلیم کے سلسلہ میں تمام سرکاری ہدایات۔ لنگویج کمیٹی کی رپورٹ وغیرہ فراہم کی جائیں اور ان پر ایک کتابچہ شائع کیا جائے۔

انجمن ترقی اردو کے پاس یہ شکایات آتی رہتی ہیں کہ متعدد تعلیمی اداروں (بیسک اسکولوں سے لے کر ڈگری کالجوں تک) اردو طلبہ کی کافی تعداد ہونے کے باوجود اردو تعلیم کا انتظام نہیں کیا جاتا اس لیے صوبہ اتر پردیش کی شاخ کی مجلس عاملہ کی نشست مرکزی انجمن ترقی اردو سے یہ سفارش کرتی ہے کہ یو۔پی کی تعلیمی شکایتوں کو دور کرنے کے لیے حکام سے مل کر جناب صدر محترم کو اپنی جانب سے خصوصی اختیار دے کے مندرجہ بالا کام کے لیے مرکزی نمایندے کی حیثیت سے حکومت یو۔پی کے ذمہ داروں سے گفت و شنید کر کے آیندہ شکایتوں کو حل کرنے کی کوشش فرمائیں۔

شرکا میں صدر اور سکریٹری کے علاوہ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی، حیات اللہ انصاری۔ ایم پی، بیگم سلطانہ حیات، وقار الرحمن جاجی، شیو ناتھ پرشاد، ڈاکٹر رسول، راحت علی خاں، امین سلونوی، سید فدا حسین، وحید الرحمن عرفانی، گیانی مہندر سنگھ، ضمیر علی خاں، شکیب، عبدالرشید انصاری، عبدالرشید صدیقی وغیرہ حضرات موجود تھے۔

جلسہ نے انجمن کو اس سلسلہ میں اختیار دیا ہے کہ وہ حکومت سے گفت و شنید کرکے مسائل کو حل کرائیں۔ ایک اور تجویز کی رو سے یہ طے کیا گیا کہ جو لڑکے نویں درجہ میں سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو پڑھ کر آئیں ان کو ہندی اور انگریزی کی طرح ہائی اسکول میں ابتدائی اردو پڑھائی جائے۔ ایک تجویز کے ذریعہ مرکزی انجمن ترقی اردو سے درخواست کی گئی کہ وہ جلد از جلد کل ہند انجمن ترقی اردو کا اجلاس حسب فیصلہ جے پور کانفرنس بہار یا پنجاب یا کسی اور ریاست میں بلوائے۔ ایک آخری تجویز چودھری حیدر حسین صاحب کی وفات پر تعزیت کی پاس کی گئی مرحوم نہ صرف ایک ماہر قانون داں تھے بلکہ سماجی، تعلیمی اور دوسرے رفاہ عام کے کاموں میں بڑی فراخدلی سے حصہ لیتے تھے مرحوم کو انجمن ترقی اردو سے خاص لگاؤ تھا ریاستی انجمن ترقی اردو کا دفتر اپنی کوٹھی میں قائم کرایا جلسہ کو مرحوم کے پسماندگان سے دلی ہمدردی ہے اور ان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور مرحوم کے ابدی سکون کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔ (نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو راجستھان کے وفد کی صدر راجستھان اکیڈمی سے ملاقات

۲/ اگست کو صبح ۸ بجے۔ انجمن ترقی اردو راجستھان کا ایک وفد۔ سری ہری بھاؤ اُپادھیہ سابق وزیر تعلیم راجستھان حال صدر راجستھان اکیڈمی اودے پور سے ان کی قیام گاہ ۲۱ گنگوال پارک جے پور پر ملا۔ وفد کی قیادت خان بہادر الحاج الطاف احمد صاحب خیری صدر انجمن ترقی اردو راجستھان نے فرمائی اور راؤ بہادر پنڈت اوتار نرائن صاحب بہادر نائب صدر انجمن مذکور اور محمد افتخار علی صاحب تبسم رکن انجمن نے شرکت فرمائی تقریباً ایک گھنٹہ کامل خوشگوار فضا میں گفتگو ہوتی رہی جس میں حسب ذیل امور زیر بحث آئے۔

(۱) انجمن کو شکایت ہے کہ اس کی تحریرات کا جواب دفتر اکیڈمی سے بالعموم نہیں ملتا۔ شاذ و نادر ملتا ہے۔ تو بہت دیر سے مہینوں بعد۔ اردو کی تحریر کا جواب اردو میں تو کبھی ملا ہی نہیں جب کہ گورنمنٹ راجستھان کا صاف حکم ہے کہ حتی الامکان جوابات اسی زبان میں دیے جائیں گے جس میں چٹھی وغیرہ آئی ہو۔ درآں حالیکہ اکیڈمی اردو کی ترقی کی بھی دعویدار ہے۔ اور اس کے دفتر میں اردو داں ملازم موجود ہیں۔

(۲) باوجودیکہ دسمبر ۱۹۶۴ء میں چیف منسٹر صاحب راجستھان نے جلسہ عام میں اعلان کیا تھا کہ دس ہزار روپیہ سالانہ اردو کی کتابیں چھاپنے پر اکیڈمی کی معرفت خرچ کیا جائے گا۔ مگر اکیڈمی نے آج تک ایک پیسہ بھی اس مد میں صرف نہیں کیا یعنی باوجودیکہ انجمن نے اس کو کتابیں پیش کیں اور اس کے ممبروں نے ان کو پسند و منظور کیا مگر کوئی کتاب اس عرصہ میں اردو میں شائع نہ کی۔ اکیڈمی کو اصرار ہے کہ اردو کی کتاب ہندی رسم خط میں طبع کرائی جائے۔ اس اصرار کی تہ میں جو نظریہ کارفرما ہے پوشیدہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر زبان اپنے رسم خط کے ساتھ ہی وہ زبان کہلائے گی۔ اگر ہندی کی کتاب اردو رسم خط میں چھاپنا ہندی کی ترقی کا ذریعہ ہو سکتی ہے تو اکیڈمی نے اردو کیا ہندی کو بھی کوئی فروغ نہیں دیا۔ جبکہ وہ ہندی اردو سنسکرت اور راجستھانی کی ترقی کی اپنے آئین کے مطابق دعویدار ہے۔

انجمن کا پرزور و شدید مطالبہ ہے کہ اردو کی کتابیں اردو رسم خط میں شایع کی جائیں اور کسی رسالہ کو کتاب کی تعریف میں لے کر عدم طباعت کا بہانہ نہ بنایا جائے۔ جیسا کہ سہ ماہی رسالہ "نخلستان" کے لیے کہا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ نہ کوئی مستقل کتاب ہے نہ اس دس ہزار روپیہ کے اعلان کے بعد جاری و شایع ہوا ہے۔ نہ آج تک اشاعت کی وقتی پابندی اس کی پائی جاتی ہے۔ نہ اس کے پورے نمبر اب تک شایع ہوئے۔

(۳) وفد نے اس جانب بھی توجہ دلائی کہ بحالت موجودہ اردو کی صحیح نمائندگی اکیڈمی میں نہیں ہوتی۔ کیونکہ اردو کی کسی بھی باضابطہ انجمن کا کوئی بھی نمائندہ بحیثیت نمائندہ اردو اکیڈمی کے ارکان میں نہیں ہے۔ اور نہ سردست کوئی ایسا شخص اکیڈمی کا ممبر ہے کہ جس کی کوئی مستقل تصنیف بزبان اردو اردو رسم خط میں آج تک شائع ہوئی ہو۔ انجمن کا اصرار ہے کہ اردو کے صحیح نمائندہ اصحاب کو نمائندگی دی جائے۔

وفد نے منجانب انجمن ایک میمورنڈم بھی جملہ حالات پر مشتمل صدر اکیڈمی راجستھان کو پیش کیا۔ اور صدر مذکور نے مناسب دفتری کارروائی جلد تر کرنے کا اقرار کیا۔ بہتر نتیجہ کی توقع کی جاتی ہے۔

(نامہ نگار)

صفحہ ۴ سے آگے

خرید لیا گیا تھا اس لیے یہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند کی ملکیت قرار دیا گیا۔ جہاں تک علم ہے مولوی صاحب اپنی سب ذاتی کتابیں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

جب دریا گنج میں انجمن کا دفتر لٹا تو مولانا آزاد نے اس کی حفاظت کے لیے پہرہ مقرر کر دیا تھا۔ مولوی عبدالحق نے اس کی کئی بار شکایت بھی کی کہ کتابیں دیکھنے میں بھی انھیں دشواری ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ فیصلے کے مطابق انجمن کے کتب خانے کو مولوی صاحب نہ لے جا سکتے تھے۔ ہاں ذاتی کتب لے جا سکتے تھے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ مولانا آزاد نے مولوی صاحب کو اپنی کتابیں لے جانے کے سلسلے میں روکا۔ ان کی ہدایت کے مطابق صرف انجمن کے کتب خانے کو محفوظ رکھنے کا سوال تھا۔ مولوی صاحب اس کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔

(۵) مولوی صاحب کے پاکستان آنے کے بعد نہ صرف یہاں کی انجمن ختم نہیں ہوئی بلکہ باقاعدہ کام کر رہی ہے۔ جب مولوی صاحب کی موجودگی میں یہ طے ہو گیا کہ انجمن ہندوستان میں اور پاکستان میں علیحدہ علیحدہ کام کرے گی تو ہندوستان کی انجمن کا صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کو مقرر کیا گیا اور وہ اس کا دفتر علی گڑھ لے آئے اور انھوں نے قاضی عبدالغفار کو اس کا جنرل سکریٹری مقرر کیا۔ قاضی صاحب کے انتقال کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہوئی جسے میں اب تک انجام دے رہا ہوں۔

انجمن ترقی اردو ہند اور انجمن ترقی اردو پاکستان دونوں پرانی انجمن کی جانشین ہیں۔ دونوں انجمن کی ۱۹۴۷ء سے پہلے کی مطبوعات چھاپ سکتی ہیں۔ دونوں کا رشتہ پرانی انجمن سے ماں اور بیٹے کا ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا